قصیدہ: فن اور ہیئت—ایک تنقیدی مطالعہ

سعود عالم
B-114، اوکھلا مین مارکیٹ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110067، موبائل: 9818675498

قصیدہ: یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادّہ ''قَصَدَ'' ہے۔ یہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ یعنی: قَصَدَ یَقْصِدُ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ''نیت یا ارادہ'' کرنے کے ہیں۔ لغوی اعتبار سے اس کے متعدد معنی ہیں، لیکن عرف عام میں جو مقبول و معروف اور رائج ہے وہ نیت یا ارادے کے ہیں اور جمہور علما کا اس پر اتفاق بھی ہے۔ معنی کے ساتھ ساتھ عرب ناقدین کا ایک بڑا گروہ اس بات کی تائید میں ہے کہ شاعری میں دیگر شرائط کے علاوہ ''قصد و ارادہ'' کی شمولیت بھی ضروری ہے۔ اور وہ اس کو شاعری کی بنیادی شرطوں میں تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح ناقدین بالخصوص عرب ناقدین نے قصیدہ میں تعدّ داشعار، مشبب و غیر مشبب، مطلع و حسن مطلع اور قافیہ کے اختلافات کو بھی اپنی نقد میں جگہ دی ہے۔ انہی باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس مضمون میں قصیدے کے متعلق مندرجہ بالا اختلافات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ قصیدہ میں مطلع کی کتنی اہمیت ہے مشبب و غیر مشبب کی بحث کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور بالخصوص قصیدہ کے اشعار میں مطلع و حسن مطلع و قافیہ کی پابندی پر بھی مدلل بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی شرط نیت کی تھی لہٰذا پہلے اس سے متعلق بات کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں عرب ناقدین کی جو رائے ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

پروفیسر ایف کرنیکو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لکھتے ہیں:

''قصیدہ اور (بعض حالات میں) قصید عربی (فارسی اور ترکی وغیرہ) منظومات کی ایک صنف کا نام ہے، جو کسی قدر طویل ہو۔ یہ لفظ عربی مادّہ ''قَصَدَ'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ارادہ کرنا....''[1] (اردو ترجمہ)

''العمدہ'' کے مصنف ابن رشیق کی رائے اس سے کچھ مختلف ہے۔ قصیدہ میں نیت کی شرط کے وہ بھی قائل ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں ''رجز'' اور ''قصیدے'' کے فرق پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لأنَّ اِشْتِقَاقَ الْقَصِیْدِ مِنْ قَصَدْتُ اِلی الشَّیْئِ کَأَنَّ الشَّاعِرَ قَصَدَ اِلیٰ عَمَلِهَا''[2]

وہ اپنی بات کی توثیق کے لیے براہین و دلائل سے استنباط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اللہ کے رسول کا ذکر کرتے ہیں کہ؛ پیغمبر اسلام نے ایک بار چند فقرے کہے، جو بظاہر دو مصرعوں کی صورت میں تھے، یہ مصرعے بامعنی بھی تھے اور موزوں و مقفّٰی بھی، لیکن اسے شعر نہیں سمجھا گیا، کیونکہ اس کے کہنے میں پیغمبر اسلام کے قصد و نیت کا عمل دخل نہ تھا۔

'' وَاِنَّمَا الدَّلِیْلُ فِیْ قَوْلِهِ النَّبِیّ صَلّیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَدَمُ الْقَصْدِ وَالنِیَّةِ لِأَنَّهٗ لَمْ یَقْصِدُ بِهِ الشِّعْرَ وَلَانَوَاهُ فَلِذَالِكَ لَا یَعُدُّ شِعْراً وَاِنْ کَانَ کَلَاماً مُتَزَّناً ''[3]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (موزوں فقرے) کو شعر نہ سمجھنے کی دلیل قصد و نیت کا فقدان ہے کیوں کہ آپ نے اِن فقروں سے نہ تو شعر کا قصد کیا تھا اور نہ اس کی نیّت، اس لیے اسے شعر نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ وہ کلام موزوں ہے''

''نیت و ارادے'' کی قید و بندش کے ساتھ ساتھ ناقدین عرب میں قصیدے کے اشعار کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بقول ابن رشیق:

''وَقِیْلَ اِذَا بَلَغَتِ الْاَبْیَاتُ سَبْعَةً فَهِیَ قَصِیْدَةٌ وَلِهٰذَا کَانَ اِیْطَاءُ بَعْدَ سَبْعَةٍ غَیْرُ مُعَیْبٍ عِنْدَ اَحَدِ النَّاسِ۔ ''[4]

ترجمہ: ''کہا جاتا ہے کہ جب اشعار کی تعداد سات تک پہنچ جائے تو قصیدہ کا اطلاق ہوجاتا ہے۔ اسی لیے سات شعر کے بعد کچھ لوگوں کے نزدیک ایطا عیوبِ قوافی میں شامل نہیں۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا یَعُدُّ الْقَصِیْدَةَ اِلَّا مَا بَلَغَ الْعَشَرَةَ وَجَاوَزَهَا وَلَوْ بَیْتٌ اَحَدٌ''۔[5]

ترجمہ: ''بعض لوگ قصیدہ اسے سمجھتے ہیں جس کے اشعار کی تعداد دس (۱۰) سے تجاوز کر جائے خواہ ایک ہی شعر زائد ہو۔''

عربی کی مشہور لغت قاموس میں ہے:

''قصیدہ اسے کہتے ہیں جس کے ابیات کا شطر مکمل ہو اور تین یا سولہ شعر اس سے زائد ہوں۔''[6]

عربی کی مشہور و مقبول لغت ''المنجد'' کے مؤلف کا خیال ہے کہ:

''اَلْقَصِیْدَۃُ مِنَ الشِّعْرِ: مَاجَاوَزَ سَبْعَۃَ اَوْعَشَرَۃَ اَبْیَاتٍ''[7]

ترجمہ: ''قصیدہ وہ ہے جو سات (۷) یا دس (۱۰) شعر سے تجاوز کر جائے''

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ عربی ادب میں لفظ ''قصیدہ'' شروع سے ہی اصطلاحی معنوں میں مستعمل رہا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ جب اصطلاح قصیدہ وضع ہوئی ہوگی تو اغلب گمان ہے کہ اس کا اطلاق ایک شعر پر کیا گیا ہوگا اور اس سے زیادہ پر بھی، لیکن بہت جلد اس کے اصطلاحی مفہوم میں ایک اور شرط تعداد اشعار کی لگا دی گئی۔ اور بعد میں مزید دیگر شرائط کے التزام کی صورت پیش آئی۔ ان ہی اختصاص کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قصیدہ باعتبار معنی و مضمون آفرینی کے عربی کی دوسری اصناف سخن سے ممتاز ہے۔ پروفیسر نجیب محمد بہیتی ''تاریخ الشعر العربی'' میں کہتے ہیں کہ عربی قصیدے میں مختلف فنون شعری بیان کیے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

'' فَالْفُنُوْنُ الشِّعْرِیَّۃُ الْمُخْتَلِفَۃُ تَنْدَرِجُ فِی الْقَصِیْدَۃِ الْعَرَبِیَّۃِ فِیْ صَوَابَتِھَا الْبَاقِیَۃِ عَلٰی حَالَتِہٖ مِنَ الْاِسْتِدَادِ مِنْ فَنٍّ اِلٰی فَنٍّ۔''[8]

یہ بات واضح ہے کہ کم سے کم اشعار کی تعداد قصیدے کی اوّلین شرط ہے۔ اس کی تائید فارسی و اردو کے محققین و ناقدین کے قول سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بات اور ہے کہ مؤخر الذکر کے نزدیک مطلع اور قافیہ کی شرط لازمی اور آخری ہے۔

دراصل فارسی اور اردو قصائد کی اصناف کی تقسیم عروضی ترکیب کے لحاظ سے کی گئی ہے اور جہاں تک عربی شاعری کا سوال ہے تو انہوں نے قصیدے کو متعدد صورتوں میں پیش کیا ہے۔

(الف) زیادہ تر (تقریباً تمام تر) قصیدے مصرع ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں اور شروع میں مطلع ہوتا ہے۔

(ب) بعض قصیدے آخری مصرعوں میں (یعنی: مصرعِ ثانی) ہم قافیہ تو ہیں، لیکن مطلع سے خالی ہیں۔ فرزدق کے بہت سے اشعار اس ضمن میں آتے ہیں۔

(ج) بعض قصیدوں کے شروع میں دو دو اور تین تین مطلع ہوتے ہیں۔ ناقدین کے نزدیک سبعہ معلقہ شاعر عنترہ بن شدّاد کے بعض قصیدوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

(د) بعض قصیدوں میں مطلع پہلے شعر کے بجائے دوسرے شعر میں یا کئی کئی شعر کے بعد ملتے ہیں۔ مثلاً ذوالرومہ نے کئی شعر کے بعد مطلع کہا ہے۔ اخطل نے پہلے شعر کے بجائے دوسرے شعر کو بہ طور مطلع کہا ہے۔

(ہ) بعض قصیدے مسمط کی شکل میں بھی ہیں، جس کی متعدد شکلیں ہیں۔

(و) مزدوج (مثنوی) کی شکل میں بھی کچھ قصیدے ملتے ہیں۔ [9]

مذکورہ بالا چھوٹی چھوٹی اور بھی قسمیں ہیں، لیکن عربی میں پہلی شکل کے علاوہ قصیدے کی اور کوئی شکل مقبول نہیں ہوئی۔ اس لیے دوسری شکلوں بالخصوص مسمط یا مزدوج میں جو قصیدے کہے گئے ان قصیدہ نگاروں پر الزام عائد کیا گیا کہ انہیں قافیے ہاتھ نہیں آئے اس لیے انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا۔

جہاں تک دوسری شکل کا تعلق ہے (جس میں مطلع نہ ہو) عربی شاعری میں بہت کم قصیدے اس نوعیت کے ہیں۔ عرب ایسے شاعر کی مثال ایسے شخص سے دیتے جو چور دروازے سے گھر کے اندر داخل ہونا پسند کرتا ہے۔ بقول ابن رشیق:

''وَاِذَا لَمْ یُصَرِّعِ الشَّاعِرُ قَصِیْدَتَہٗ کَانَ کَالْمُسْتَوْرِ الدَّاخِلِ مِنْ غَیْرِ بَابٍ ''[10]

الغرض عربی شاعری کا تقریباً تمام سرمایہ پہلی شکل میں مروّج ہے۔ فارسی اور اردو شعرا نے عربی شاعری کی اس پہلی مروّجہ شکل کی پیروی کی ہے۔ یعنی: قصیدہ کا پہلا شعر مطلع سے خالی نہ ہو اور مصرع ثانی میں قافیہ کی پابندی لازمی ہو۔

اصناف کی یہ عروضی تقسیم متفق علیہ ہے، اس کے باوجود ڈاکٹر محمود الٰہی کو قصیدہ کی عروضی تقسیم سے اختلاف ہے۔ وہ اشکال کرتے ہیں کہ اگر ایسا مان لیا جائے تو ذوقؔ کا وہ مسدس جو بہادر شاہ ظفرؔ کی تعریف میں ہے، جس کو محمد حسین آزاد نے اپنے مرتبہ دیوان میں قصیدہ کے ضمن میں رکھا ہے یا قدر بلگرامی کا مخمسہ قصیدہ بنام ''شام اودھ'' کا کیا ہوگا؟ ایسی صورت میں وہ لکھتے ہیں:

''اگر ذوقؔ کے مسدس اور قدرؔ بلگرامی کے مخمس وغیرہ کو اس لیے قصیدہ مان لیا جائے کہ وہ مدحیہ مضامین کے حامل ہیں تو اردو کی ساری مدحیہ شاعری کو قصیدہ کہنا چاہیے، خواہ وہ کسی بھی عروضی ڈھانچے میں ہو اور سوداؔ کے شہر آشوب نیز دوسرے مدحیہ قصیدوں کو قصیدے کے ضمن سے الگ کر دینا چاہیے، یہی نہیں،

اردو کی تمام اصناف سخن پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ بہت سی غزلوں کو قصیدہ اور مرثیے کے خانے میں لے جانا پڑے گا اور اسی طرح کتنے مسدس اور مخمس کو غزل کہنا پڑے گا۔"[۱۱]

اس لیے وہ قصیدہ کی عروضی تقسیم کے بجائے معنوی اور موضوعاتی تقسیم کے قائل ہیں۔

عربی ادب میں قصیدہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مدحیہ (۲) ہجویہ

عربی ادب میں یہ دونوں ایک مستقل صنف کی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ اردو میں ایسا نہیں ہے۔ اردو میں قصیدہ ایسی صنف سخن کو کہتے ہیں جس میں دونوں طرح (مدحیہ ہو یا ذمیہ/ہجویہ) کے مضامین استعمال ہوتے ہوں۔ بقول عبدالسلام ندوی "جن فضائل ومناقب پر قصیدہ کی بنیاد قائم ہے، انہی کے سلب کرنے کا نام ہجو ہے"[۱۲] اردو شعرا میں چند کے کلام میں ہجویہ اشعار ملتے ہیں، ان میں شاکر ناجی، میر ضاحک، مرزا سودا، بقا اللہ بقا اور انشا قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا کے کلام میں فحاشی، عریانیت اور بدزبانی اس حد تک بڑھی ہوئی ملتی ہے کہ پردہ نشیں خواتین تو درکنار مہذب معاشرہ کی محفل میں اس کو پڑھنا دشوار تھا۔ الغرض ناسخ کے زمانے میں اس کا خاتمہ ہو گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ شعر نے اس کی دوسری شکل اختیار کر لی۔ ان کے کلام میں سب وشتم، طعن وتشنیع اور طنز وکنایہ کے بجائے مذہبی اور اخلاقی الفاظ اشارہ وکنایہ کی شکل میں ملنے لگے۔ حالی، اسماعیل میرٹھی اور اکبرالہٰ آبادی وغیرہ کے کلام اس سے بھرے پڑے ہیں۔ ہجو کے متعلق ابن رشیق یہ کہتا ہے کہ:

"فَامَّاالْقَذَفَ وَالْاَفُحَاشَ نِسُبَابٌ مَحَض وَلَيُسَ لِلشَّاعِرِ فِيْهِ الْاِقَامَةَ الْوَزَن"[۱۳]

ترجمہ: "تہمت لگانا اور بدزبانی کرنا تو گالی گلوج کرنے جیسا ہے، شاعر نے اس کو صرف موزوں کر دیا ہے۔"

عرب ناقدین نے ہجو کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔[۱۴]

۱۔ ہجو میں کسی کے جسمانی یا آبائی عیوب کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔
۲۔ ہجو میں ہمیشہ اصل اور سچے عیوب کا ذکر کرنا چاہیے۔
۳۔ ہجو میں (شریف اور بلند رتبہ اشخاص کے لیے) تصریح کے بجائے صرف تعریض سے کام لینا چاہیے۔
۴۔ ہجو میں ہمیشہ اشخاص کے اختلاف مراتب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔
۵۔ ہجو میں اشعار کی تعداد بھی محدود ہونی چاہیے اور جریر کے سوا تمام شعرا نے اس سے اتفاق کیا ہے۔
۶۔ ہجو کا طرز بیان مہذب متین اور فحاشی سے خالی ہونا چاہیے۔

جیسا کہ عمر بن العلا کا قول ہے:

"خَيْرُ الْهِجَاءِ مَا تُنْشِدُهُ الْعُذْرَا فِیُ خَدُرِهَا" ترجمہ: "بہترین ہجو وہ ہے جس کو ایک باکرہ عورت اپنے خیمہ کے اندر پڑھ سکے۔"[۱۵]

"قصیدہ" لفظ کا ذکر سب سے پہلے عربی شاعری میں ملتا ہے۔ دور جاہلی کے ایک شاعر جو قبیلۂ بنی بکر سے تعلق رکھتا تھا اس نے ایک دوسرے قبیلہ بنی تغلب کی ہجو میں ایک شعر کہا جس میں لفظ "قصیدہ" کا پہلی بار استعمال کیا۔ شاعر کہتا ہے:

اِلْهِىُ بَنِیُ تَغْلَبُ عَنُ كُلِّ مَكْرِمَتِهِ
قَصِيُدَةً قَالَهَا عَمْرُوبِنِ كُلْثُوْمِ

ترجمہ: "یہ شعر اس وقت کہا گیا ہے جب عمرو بن کلثوم نے اپنا مشہور فخریہ قصیدہ کہہ کر سارے عرب میں ایک دھوم مچا دی تھی۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ جاہلیت میں لفظ قصیدہ اصطلاحی معنوں میں مستعمل تھا۔

عربی کی طرح اردو میں بھی قصیدہ کے معنی "قصد کرنا" یا "ارادہ" کرنے کے ہیں۔ یہ درباری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ شاعر اس کے ذریعہ بادشاہ یا امیر وقت کی تعریف وتحسین کرتا ہے خواہ اس کا بیانیہ مبالغہ آمیز ہو یا حقیقت پر مبنی ہو۔

اردو شاعری میں اکثر قصیدہ گو شعرا نے فارسی شاعری کے تتبع میں مبالغہ وغلو سے کام لیا ہے۔ اس سلسلے میں کلیم الدین احمد اردو قصیدہ گو شعرا کو مشورہ سے نوازتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر عربی قصیدوں کی تقلید ہوتی تو شاید ایسی بدنمائی نہ ہوتی۔"[۱۶] وہ مزید لکھتے ہیں: "عرب مبالغہ آمیز اور بے معنی مداحی سے گریز کرتے تھے۔ اس قسم کی بات کو باعث ننگ سمجھتے تھے۔ وہ مدح کرتے تھے تو انعام واکرام کے لیے نہیں بلکہ اپنے دلی تاثرات سے مجبور ہو کر۔"[۱۷]

اردو میں وہ سودا کے قصیدے سے پر امید ہیں اور ان کی مدح میں لکھتے ہیں۔

"اردو شعرا عربی قصیدوں سے کچھ نہیں سیکھتے۔ ایک سودا کو لیجیے وہ خاقانی، عرفی، انوری سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے قصیدوں پر قصیدے لکھتے ہیں۔ خاقانی کے مشہور قصیدہ: 'کہ ہمت راز ناشوئیست بازانو وپیشانی' پر نعتیہ قصیدہ لکھتے ہیں:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے تسبیح زنار سلیمانی"[۱۸]

قصیدے میں ہر طرح کے خیالات کے ساتھ ساتھ مذہبی رنگ کی

بھی آمیزش ملتی ہے۔عربی شاعری اس نوع کی شاعری سے بھری پڑی ہے۔حقیقی جوش،اصلی جذبہ کی زبان ہمیشہ سیدھی سادی ہوتی ہے برخلاف قصیدہ کے کہ اس کی زبان میں نہ جوش ہوتا ہے اور نہ ذاتی جذبہ، پھر سادگی کا وجود ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔قصیدے کی زبان میں سلاست، روانی اور متانت ضروری ہے،لیکن اس میں شان وشوکت، طمطراق اور آہنگی ضروری ہے۔غزل کے مقابلے میں قصیدے طویل ہوتے ہیں۔اشعار مربوط و مسلسل ہوتے ہیں اور ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ طویل اور رفعت خیال ہونے کی بنا پر قصیدہ میں قافیہ کا چناؤ کسی ٹیڑھی کھیر سے کم نہیں تاہم شاعر دوُر کی کوڑی لانے سے گریز نہیں کرتا،حتیٰ کہ قاری کو لغت دیکھنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔مثال کے طور پر سوداؔ کے مشہور قصیدے کا مطلع:

اُٹھ گیا بہمن ودے کا چمنستان سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

اس قصیدے میں مذکورہ الفاظ اور قافیہ اپنے آپ میں بے مثال ہیں۔دیکھیے،مستاصل،ہبل،کسل،اقل،اچپل،خردل،ذلل،بشکل،لانجل وغیرہ۔اسی طرح بہمن جو برہمن کا مخفف ہے، تیغ اردی،خزاں وغیرہ الفاظ کے معنی کے لیے قاری کو لغت کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔

اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مُشبَّبْ ۲۔ مُقتَضَبْ (غیر مشبب)

مُشبَّبْ: ایسے قصیدے کو کہتے ہیں جو تشبیب کا حامل ہو۔زمانۂ جاہلیت کے قصیدے اکثر تشبیبی اشعار سے شروع ہوتے تھے۔تشبیب میں شعرا اکثر عشقیہ مضامین رقم کرتے تھے۔'العمدۂ' کا مصنف لکھتا ہے:

''وَمِنْ عُیُوبِ ھذا الْبَابُ اَنْ یَکُوْنَ التَّشْبِیْبُ کَثِیْراً وَالْمَدْحُ قَلِیْلاً''۔[19] ترجمہ:''قصیدے کے معائب میں ایک عیب یہ ہے کہ تشبیہ زیادہ ہو اور مدح کم ہو۔''عربی شاعری میں ابن رشیق کے زمانے میں اور اردو شاعری میں انشاؔ کے زمانے میں شعرا کے کلام میں اس طرح کی غلطی دیکھنے کو ملتی ہیں۔مثال کے طور پر شہزادہ سلیمان شکوہ کی مدح میں انشاؔ کا لکھا ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

صبح دم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ
جنبش باد بہاری سے گئی آنکھ اوچٹ

شاعر نے اس کی تشبیب کو اتنا طول دیا ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد مدحیہ اشعار سے بڑھ گئی ہے۔[20] تشبیب میں تصنّع اور تکلّف کے برخلاف حقیقت بیانی سے کام لیا جاتا تھا۔شعرا اُن میں واردات قلبی بیان کرتے تھے۔اپنے عشق کی سچّی داستانیں قلمبند کیا کرتے تھے۔ان کی کوشش رہتی کہ اُن کو مِن وعَن بیان کیا جائے،لیکن اس کے باوجود اُن میں کبھی کبھار مبالغہ اور غلو سے بھی کام لے لیا جاتا تھا۔شعرا اِس بات کا خیال رکھتے کہ وہ اپنی تشبیب میں جن اعزا و اقارب، دوست یا محبوبہ کا ذکر کرتے وہ ان کی اپنی جان پہچان کی ہو یا ان کے اپنے رشتے دار ہو یا جن مقامات کا ذکر کرتے وہ ان کے مانوس زدہ مقامات ہوتے۔جن سے ان کی معشوقائیں،اُقربا یا وہ مقامات آسانی سے پہچان لی جاتیں۔ سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر امرؤالقیس نے اپنی شاعری میں اس کو خاص مقام دیا ہے۔وہ سوتیلی ماؤں اور خاندان کی لڑکیوں کو اکثر اپنی ''تشبیب'' میں جگہ دیتا تھا۔[21] انہوں نے اپنے معلّقہ میں عشق و محبت کی کہانیاں خوب مزے لے لے کر بیان کی ہیں۔ذیل میں ان کا ایک شعر درج کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے محبوبہ کا نام تو نہیں لیا ہے،لیکن ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے اپنے محبوبہ کے ساتھ حسین لمحات گزارے ہوں گے جن کو یاد کرکر کے شاعر یوں گریہ وزاری ہے۔ وہ کہتا ہے:

قِفَا نَبْکِیْ مِنْ ذِکْرِیٰ حَبِیْبِیْ وَمَنْزِلِ
بِسِقْطِ اللِّوٰی بَیْنَ الدَّخُوْلِ وَحَوْمَلِ

ترجمہ:''میرے دونوں ساتھیو،ٹھہر جاؤ،آؤ محبوبہ اور اس کی قیام گاہ کی یاد میں دو آنسو بہالیں۔قیام گاہ جو دخولؔ اور حوملؔ کے درمیان ایک ریت کے تودے پر واقع تھی۔''

فارسی اور اردو کے زیادہ تر قصیدے مشبب ملتے ہیں۔''

مُقتَضَبْ: ایسے قصیدے کو کہتے ہیں جو تشبیب سے عاری بھی ہو۔جس کو غیر مشبب بھی کہتے ہیں۔

مشبب قصیدہ کی اجزائے ترکیبی

۱۔ مَطلَع بشمولیت تشبیب (تمہید) ۲۔ گُریز ۳۔ حُسنِ طَلَب ۴۔ مَقْطَع یا خاتمہ (دُعائیہ)

عربی قصیدے میں ''حُسن طلب'' کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔فارسی اور اردو قصیدوں میں اس کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ہمارے شعرا نے اپنے قصیدوں میں اس کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔عربی شاعری کی طرح فارسی اور اردو میں بھی اس کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ان کا استعمال اکثر مدحیہ قصیدوں میں ملتا ہے،لیکن جہاں تک دیگر موضوعات جیسے بہاریہ،رزمیہ اور رثائیہ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان میں اس بات کا خیال کم ہی رکھا جاتا ہے۔یوں سمجھ لیجیے کہ ''نا'' کے برابر ہی استعمال ہوتا ہے۔

حواشی

۱۔ انسائیکلوپیڈا آف اسلام (انگریزی)، جلد دوم، ص:۹۶۷

۲۔ اَلعُمدَۃِ، جلد، اوّل، طبع بیروت، ص:۱۲۱

۳۔ ایضاً، ص:۱۲۳

۴۔ ایضاً، ص:۱۲۵

۵۔ ایضاً، ص:۱۲۵

۶۔ اَلْفَوَائِدُ الدُّرِّيَّۃُ فِی اللُّغَتَیْنِ الْعَرَبِیَّۃِ وَالْاِنْکِلِیْزِیَّۃِ، ص: ۷۰۸

۷۔ دیکھیے، اَلْمُنجدُ، ص:۶۸۸

۸۔ نجیب محمد بہبتی، تاریخ الشعر العربی، ص:۱۰۴

۹۔ العمدہ، جلد، اوّل، طبع بیروت، ص:۱۲۰

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱۷

۱۱۔ محمود الٰہی، اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی مطالعہ، ص:۴۵

۱۲۔ عبدالاسلام ندوی، شعرالہند، ج، دوم، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ص:۳۴۳

۱۳۔ ایضاً:۳۴۵

۱۴۔ دیکھیے، شعرالہند، ج،۲،۔ص:۳۴۳۔۴۵

۱۵۔ العمدہ، جلد، دوم، طبع بیروت، ص:۹۳۱

۱۶۔ کلیم الدین احمد، اردو شاعری کا پر ایک نظر، جلد، اوّل، بُک امپوریم، ص:۱۸۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۸۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۸۸

۱۹۔ العمدہ، جلد، اول، طبع بیروت، ص:۱۵۵

۲۰۔ عبدالاسلام ندوی، شعرالہند، ج، دوم، ص:۳۰۶

۲۱۔ العمدہ، جلد، اول، طبع بیروت، ص:۲۱

ابن صفی: شخصیت اور فن کے آئینے میں

اردو ادب میں ابن صفی کی گراں قدر خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر ان کی خدمات کا اعتراف بہت کم ہوا ہے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام ذہنی تحفظات سے بلند ہوکر معروضی انداز میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے تاکہ نئی نسلیں ان کی تخلیقی فتوحات سے واقف ہوسکیں اور ان کے لائقِ رشک طرزِ نگارش، غیر معمولی حسِ مزاح، ذہانت، ذکاوت اور حیرت انگیز زود نویسی کے باوصف فکر و فن کی تازگی کو برقرار رکھنے کی زبردست صلاحیت کا ادراک واحساس کرسکیں۔ ایسے ہر دلعزیز تخلیق کار کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے لیے اردو اکادمی، دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سمینار کے بیس فکر انگیز مقالات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے مفید مطلب بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔

مرتبین: خالد محمود، خالد جاوید، صفحات:۲۴۸، قیمت:۱۵۰؍روپے

اردو صحافت کا ارتقا

اردو صحافت نے ارتقاء کا عمل کن مراحل سے گزر کر پورا کیا ہے اور اس کے صحافیوں نے اپنی جفاکشی، محنت اور جدوجہد سے تاریخ کے صفحات پر جو نقوش ثبت کیے ہیں یہ کتاب دراصل اسی کا ایک مبسوط خاکہ ہے جس میں دو صدیوں پر محیط اردو صحافت کے تاریخی، فنّی اور تکنیکی ارتقاء کی تاریخ کو سمیٹا گیا ہے۔ کتاب میں اردو صحافت کو درپیش مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

مصنف: معصوم مرادآبادی صفحات:۲۲۴، قیمت:۱۵۰؍روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی